

تیسری قسط

عربی زبان تاریخ کے تناظر میں

مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی

عربوں کا زبان کے ہر لفظ کو نہ سمجھنا: یہ سمجھنا غلطی ہے کہ ہر عرب کی زبان فصیح تھی اور اس کی زبان کو حجت و سند کا درجہ حاصل تھا۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ ہر عرب کو ہر لفظ کے معنی کا صحیح علم ہوتا تھا، بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ اہل علم جو عربی زبان اور اس کے فصیح و نامانوس اور شاذ الفاظ کے فہم و ادراک میں مہارت رکھتے تھے، وہ بھی بہت سے الفاظ کے معانی سے ناواقف تھے۔

سہل ابن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تنزل الأمة على شريعة مالم يظہر فیہا ثلاث: مالم یقبض منہم العلم، ویکثر فیہم الخبث، وتظہر فیہم السقارة (امت شریعت پر قائم رہے گی۔ جب تک ان میں (لوگوں میں) تین چیزیں ظاہر نہ ہوں گی یعنی جب تک ان سے علم نہ اٹھالیا جائے، برائی (الخبث) کی کثرت نہ ہو اور سقارۃ ظاہر نہ ہوں) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ سقارۃ کے کیا معنی ہیں، فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو زمانہ کے آخر میں ظاہر ہوں گے، جب وہ آپس میں ملیں گے تو سلام و دعا کے بجائے ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان احبکم الیّ وأقربکم مجلسا منی يوم القيامة أحاسنکم أخلاقاً، وأبغضکم الیّ وأبعد کم منی مجلسا يوم القيامة، هم الثرثارون المتشدقون المتفیهقون“ تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور قیامت کے روز نشست کے اعتبار سے سب سے زیادہ مجھ سے وہ لوگ نزدیک ہوں گے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے۔ اور تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور روز قیامت نشست کے لحاظ سے سب سے دور وہ لوگ ہوں گے جو فضول بکواس اور بے سرو پا باتیں کرنے والے اور متفیهقین ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ ہمیں ثرثرارین اور متشدقین کے معنی تو معلوم ہیں لیکن متفیهقین کون ہوتے ہیں، فرمایا اس کے معنی ہیں متکبرین۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ منبر پر تھے، دوران خطبہ انھوں نے، باری تعالیٰ کے قول ”أو يأخذهم علی تخوف“ میں لفظ تَخَوْف کے معنی حاضرین سے دریافت کیے، سب لوگ خاموش ہو گئے لیکن قبیلہ ہذیل کے ایک بڑے میاں نے کھڑے ہو کر کہا: اس لغت کا تعلق ہماری زبان سے ہے اور اس کے معنی تنقص کے ہیں۔ حضرت عمر

نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دریافت کیا کہ، کیا عربوں کے اشعار میں اس کا استعمال موجود ہے؟ کہا: ہاں، ہمارے شاعرز ہیر کا شعر ہے:

تَخَوُّفُ الرَّحْلِ مِنْهَا تَمَكُّافِرْدَا
كَمَا تَخَوُّفُ عُودِ الشُّبْعَةِ الشَّفَنُ

حضرت عمر کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک بار منبر پر خطہ دیتے ہوئے آپ کو قرآن پاک کی آیت ”وفاکھہ و ابا“ میں لفظ آب کے معنی پوچھنے کی ضرورت پیش آئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نہد کے ایک وفد سے خطاب کرتے ہوئے سنا تو کہنے لگے: یا رسول اللہ ہم ایک باپ کی اولاد ہیں پھر بھی ہم آپ کو عربوں سے ایسی گفتگو کرتے ہوئے سنتے ہیں جس میں سے بہت سا حصہ ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

استاذ عباس محمود العقاد اس واقعہ کو اس طرح لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ”انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نہد کے وفد سے ایسا کلام کرتے سنا جس کو وہ سمجھ نہیں پائے، ان کے پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی۔“ اس پر عقاد صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات مروی ہے ان سے جو امام تھے اپنی وسعت علم، اصابت فیصلہ اور حسن فہم میں تو دوسروں کا فہم و ادراک اور اجتہاد کے درجات میں اس سے کم ہونا بدرجہ اولیٰ سمجھ میں آتا ہے۔ اسی طرح روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے قرآن کی آیت ”الحمد لله فاطر السموات والأرض“ میں لفظ فاطر کے معنی کے بارے میں استفسار کیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے: الشعر ديوان العرب، فاذا خفي علينا الحرف من القرآن الذي انزله الله، رجعنا الى الشعر فالتمسنا معرفة ذلك منه يعني اشعار عربوں کا دیوان ہیں، اگر اللہ کے نازل کردہ قرآن میں کوئی لفظ ہم پر واضح نہیں ہوتا ہے تو ہم اس کی واقفیت کے لیے اشعار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ انہیں کا یہ قول بھی ہے: اذا تعاجم شئ من القرآن، فانظروا في الشعر فلان الشعر عربي: جب قرآن میں کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے تو اشعار میں (اس کے معنی کی تلاش کے لیے) غور کرو کیونکہ اشعار عربی ہیں۔

اس طرح کے واقعات خاصی بڑی تعداد میں ملتے ہیں، جن سے ایک طرف تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لغت فصیحی کے سنے جانے والے الفاظ میں سے عرب عوام ہی نہیں، بلکہ خواص بھی ہر لفظ کے معنی نہیں جانتے تھے اور بہت سے الفاظ کے معنی ان کے حیطہ علم سے باہر تھے۔ دوسری طرف مذکورہ سوالات و استفسارات سے پتا چلتا ہے کہ ایک معجم یا لغت کا آئیڈیا اسی وقت سے عربوں کے ذہنوں میں موجود تھا، یہ اور بات ہے کہ کوئی معجم اپنی موجودہ متعارف شکل و مفہوم میں اس وقت وجود میں نہیں آتی تھی۔ نیز قرآن و حدیث کے غریب الفاظ کی تشریح کے سلسلہ میں علما نے جو اہتمام کیا اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

استفسارات اور وضاحت و تشریح کا یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ بنیاد اسلامیہ کا رقبہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، عربوں کا عجمی لوگوں سے میل جول اور اختلاط بڑھنے لگا تو عربی میں دوسری زبانوں کے الفاظ کی شمولیت کے خطرہ سے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں کتاب اللہ کی فہم و سمجھ میں دشواری نہ ہونے لگے، چنانچہ زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کا ایک گروہ لغات جمع کرنے اور ان کی حفاظت کے مقصد سے شہروں سے منتقل ہو کر بادیہ نشین ہو گیا۔ اس گروہ میں شامل خلیل ابن احمد، خلف الاحمر، یونس بن جیب النضی، اصمعی اور ابو زید الانصاری کے اس حذرِ حال کی غرض و غایت، زبان کو اس کے اصلی سرچشموں سے حاصل کرنا اور نخعی، ابو خیرہ العدوی اور ابوالدقیش جیسے ثقہ و معتبر لوگوں سے کسب فیض کرنا تھی۔

ان علماء کے واقعات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے معاملہ میں یہ لوگ کس قدر محتاط تھے۔ اس معاملہ میں ان کے تشدد کا حال یہ تھا کہ اگر بعض فصیح کلمات کا استعمال کلام عرب میں نہ دیکھ سکنے کی بنا پر ان میں غلطی کا گمان ہو جاتا تو وہ ان کے استعمال کو برا سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ اصمعی ”شتان ماینہما“ کو غلط قرار دیتے تھے اور کہتے تھے صحیح ”شتان ماہما“ ہے، ابو حاتم کہتے ہیں اصمعی نے ربیعہ کا یہ شعر پڑھا:

لشتان ما بین الیزیدین فی الندی

یزید سلیم والاغر بن حاتم

اور کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ازہری التھذیب میں اور جوہری الصحاح میں مادہ شت کے تحت کہتے ہیں کہ ربیعہ کا قول جہت نہیں ہے اور وہ ”مولد“ ہے اور جہت دراصل اشی کا یہ قول ہے:

شتان ما یومی علی کورھا

ویوم حیوان اخی جابر

ڈاکٹر ابراہیم محمد نجار استاذ کلیۃ اللغة العربیۃ، جامعۃ ازہر کہتے ہیں کہ ”بین“ کے ساتھ ”شتان“ کے استعمال کو ممنوع قرار دینا درست نہیں، اس لیے کہ عربوں کے فصیح کلام میں اس استعمال کے نظائر موجود ہیں۔ لیکن اس سے بہر حال یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زبان کے معاملہ میں ان کی حد درجہ احتیاط نے ان کو تشدد بنادیا تھا، لیکن وہ یقیناً اس کی اجازت دے دیدیتے اگر ان کو کچھ ایسے شواہد مل جاتے جیسے بیعت شاعر کا قول:

وشتان ما بینی و بین رعائھا

اذا صرصر العصفور فی الرطب الشع

ازہری تھذیب اللغة کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ”اگر میں اپنی اس کتاب میں وہ سب کچھ لکھ دوں جو میرے جشروں میں موجود ہے اور وہ جو دوسروں کی کتابوں میں پڑھا ہے، یا وہ جو کتابوں کے نوشتہ صحیفوں میں مجھے ملا ہے راہل تصحیف نے ان میں فساد پیدا کیا ہے، تو میری یہ کتاب بہت لمبی ہو جائے گی اور میں عربوں کی زبان پر ظلم و

زیادتی کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جاؤ گا۔“

اس کے بعد وہ ایک بہت عمدہ و مہمیز جملہ لکھتے ہیں: ”ولقلیل لایُخزى صاحبہ خیر من کثیر بفسخه“ یعنی تھوڑی سی وہ بات جو اس کے کہنے والے کو شرمندہ نہ کرے اس زیادہ بات سے بہتر ہے جو اس کی رسوائی (یا بدنامی یا جگہ ہنسائی) کا باعث ہو۔

وہ مزید لکھتے ہیں: ”میں نے اپنی اس کتاب میں صرف وہی مواد قلم بند کیا ہے جو مجھے صحیح لگا۔ معتبر عربوں سے سن کر، یا ثقہ لوگوں کی روایت کے توسط سے، یا گہری معرفت رکھنے والوں کی ان تحریروں کے ذریعہ، جن پر میں مطلع ہوا، سوائے ابن درید اور ابن مظفر کے کچھ کلمات کے، جو مجھے ان کی کتابوں میں ملے۔ (یعنی صرف یہی وہ الفاظ ہیں جن کی صحت کا یقین نہ ہونے کے باوجود میں نے ان کو نقل کیا ہے) لیکن اس تعلق سے میں نے اپنے شک و شبہ کا اظہار کر دیا ہے۔“

ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء متقدمین نے اس زبان کے معاملہ میں کس قدر اہتمام و احتیاط سے کام لیا اور مختلف وسائل کے ذریعہ اس کے جمع و تدوین میں کتنی عظیم محنت و جانفشانی کی اور اس کے حرف اور کلمہ کو بحث و تحقیق کی چھلیوں میں چھان کر غلطیوں سے بلکہ ان کے شائبہ سے بھی اس زبان کو محفوظ رکھنے کی بھرپور سعی کی۔ یہ وہ امر ہے جس کی نظیر دوسری زبانوں میں ملنا مشکل ہے۔

زبان کی تدوین کے سلسلہ میں شروع میں مختلف طریقوں پر طبع آزمائی کی گئی۔ سب سے پہلے الفاظ یا معانی سے متعلق خصوصی رسالے تالیف کیے گئے۔ لغت نویسی کا یہ سب سے پہلا مرحلہ تھا جس کی بہت سے ثقہ اہل لغت نے پیروی کی۔ ان میں وحشی جانوروں، جنگلات اور درختوں کے ناموں کے بارے میں اصمعی کے اور نباتات وغیرہ کے بارے میں ابو حنیفہ دینوری کے رسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پھر علمائے مختلف معانی کے لیے وضع کردہ الفاظ کے جمع کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ لیکن ان الفاظ کی مراجعت وہی لوگ کر سکتے تھے جو معانی جانتے ہوں اور ان کے لیے وضع کردہ الفاظ پر مطلع ہونا چاہتے ہوں۔ اس طرز پر لکھی گئی کتابوں میں الالفاظ لابن السکیت (متوفی ۲۴۴ھ)، ”الالفاظ الکتابیہ“ للہمدانی (متوفی ۳۲۷ھ) ”مبادئ اللغة“ للاسکافی (متوفی ۴۲۱ھ)، ”فقه اللغة“ للثعالبی (متوفی ۴۲۹ھ) اور ”المخصص“ لابن سیدہ (متوفی ۴۵۸ھ) اس فن کی جامع ترین کتابیں شمار کی جاتی ہیں۔

پھر علماء لغت نے ایسی تالیفات کی طرف توجہ دی جن میں ہصر کے طور پر الفاظ کو جمع کیا گیا، انتہائی دقت و احتیاط کے ساتھ ان کی تشریح کی گئی اور اس کی تائید میں قرآن و حدیث اور فصیح اشعار سے شواہد پیش کیے گئے۔ تالیف کا یہ رنگ ”معجم“ کے نام سے معروف ہوا۔ لیکن تحدید کے ساتھ یہ نہیں معلوم کہ اس طرح کی تالیفات کے لیے اس لفظ کا اطلاق کب سے شروع ہوا اور کب اس نے رواج پایا۔ اگرچہ جوامع میں اس کا استعمال ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ

سب سے پہلے ابویعلیٰ کی کتاب کا نام ”معجم الصحابة“ رکھا گیا پھر ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسماء صحابہ پر اپنی دو کتابوں میں سے ایک کا نام ”المعجم الكبير“ اور دوسری کا ”المعجم الصغير“ رکھا۔

اس کے بعد حدیث، ادب اور تاریخ وغیرہ کے موضوعات پر جامع کتابوں کے لیے اس لفظ (المعجم) کا استعمال عام ہو گیا۔ اس سلسلہ میں یا قوت بن عبداللہ حموی کی کتاب ”معجم الادباء والبلدان“ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اصطلاحاً یہ لفظ خلیل کی العین، قالی کی البازع اور ازہری کی التہذیب جیسی لغت کی جامع کتابوں کے لیے ہی تقریباً مخصوص ہو کر رہ گیا۔ پھر بعد میں لفظ ”القاموس“ جس کے معنی عظیم سمندر کے ہیں ”المعجم“ کے مترادف کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اس سلسلہ کا سب سے مشہور نام القاموس المحيط ہے جو قاضی القضاۃ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی کی لغت ہے۔ بلکہ اس مشہور زمانہ لغت کے بعد ہی یہ لفظ لغت کے معنی میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ عربی میں لغت نویسی کا کام شروع ہوا تو یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا اور بہت سی لغات لکھی گئیں، جن کا مقصد مرتب انداز میں الفاظ کا حصہ و احاطہ کرنا تھا۔ اور ڈاکٹر ابراہیم محمد نجاکے بقول اس سلسلہ کی آخری کڑی مجمع اللغة العربية (القاهرہ) کی تیار کردہ ”المعجم الوسيط“ ہے۔

شروع سے لے کر اب تک جو عربی لغات لکھی گئیں ان میں کسی ایک نظام یا پیٹرن (Pattern) کی پابندی نہیں کی گئی۔ ان لغات کے مقصدانہ جائزہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان میں اختیار کیے گئے نظامہائے ترتیب کو تین دبستانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اب تک جتنی بھی قابل ذکر اور اہم عربی لغات لکھی گئی ہیں ان سب میں انہی تین دبستانوں میں سے ایک کا اتباع کیا گیا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

اول۔ دبستان تقلیبات: عربی لغات کی تالیف کے میدان میں یہ سب سے پہلا دبستان یا مکتب فکر ہے۔ اس دبستان کا اتباع کرنے والوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک گروپ کے تحت متحدہ حروف سے بننے والے تمام کلمات یکجا کر دیتے ہیں۔ مثلاً (ر۔ک۔ب) سے بننے والے الفاظ کو ایک ہی باب میں تلاش کیا جائے گا، خواہ ان کی ترتیب کتنی ہی مختلف ہو۔ چنانچہ ر کب، ربك، کرب، کبر، اور بکر میں سے ہر لفظ ایک ہی باب کے تحت مذکور ہوگا۔ پھر اس دبستان کے دو مختلف طریقے ہیں: (الف) تقلیبات صوتی: یہ وہ طریقہ ہے جس میں متحدہ حروف والے الفاظ کو جمع کر کے ایک گروپ بنادیا جاتا ہے اور اس میں صوتی پہلو کے علاوہ بعید المخرج حروف کی ترتیب کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ حلق سے نکلنے والے حرف ہونٹوں سے ہوتی ہے۔ مثلاً ”را“ کا مخرج زبان کی نوک اور اوپر کے دو دانت ہیں اور ”با“ دونوں ہونٹوں کے درمیان سے نکلتی ہے جب کہ ”کاف“ کا مخرج آخر لسان اور اس سے ملتا ہوا تالو کا اوپر کا حصہ ہیں۔ ان تینوں حروف میں مخرج کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی کاف ہے۔ چنانچہ ان حروف سے بننے والے کلمات کو کاف کے باب میں کرب اور کبر کے مادہ میں تلاش کیا جائے گا۔ مذکورہ طریقہ کے موجد خلیل

بن احمد الفراء بیدی نے اپنی لغت ”کتاب العین“ میں اسی کو اختیار کیا، دوسرے علماء ماہرین لغت میں سے ازہری نے ”التہذیب“ میں زبیدی نے ”مختصر العین“ میں ابوعلی القالی نے البارع میں اور ابن سیدہ نے ”المحکم“ میں اسی طریقہ کا اتباع کیا۔ (ب) تقلیبات ہجائی: دبستان تقلیبات کی اس ذیلی شاخ میں سابقہ طریقہ کے مطابق ہی الفاظ کو جمع کیا جاتا ہے۔ البتہ ترتیب میں حروف تہجی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جیسے (ر۔ک۔ب) سے بننے والے سابقہ کلمات میں ترتیب کے اعتبار سے پہلا حرف (ب) ہے۔ ابن درید نے الجمہرۃ میں اسی طریقہ کو اپنایا ہے۔

دوم۔ دبستان قافیہ: قافیہ وہ لفظ ہے جس پر قصیدہ کی بنا ہوتی ہے جس کو ردیف سے پہلے کا لفظ تک بھی کہا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس زمانہ میں شعر و شاعری کا دور دورہ تھا اور نثر تک میں جمع کی رعایت غالب رہتی تھی۔ اس لیے لغت کے نظام ترتیب میں اس طریقہ کی ایجاد اور اس کو اپنانے میں یہی عامل کارفرما تھا۔

سوم۔ دبستان ابجدی: اس دبستان کے مطابق معاجم کو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے سب سے پہلے ہمزہ سے شروع ہونے والے الفاظ آتے ہیں، پھر باء سے شروع ہونے والے الفاظ۔ نیز دوسرے تیسرے اور چوتھے حرف کی ترتیب کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ حروف زائدہ کا اس ترتیب میں کوئی اعتبار نہیں اسی لیے کسی بھی لفظ کی تلاش سے پہلے اگر اس میں حروف زائدہ ہوں تو ان سے اس کی تجدید لازمی ہوتی ہے، مثلاً مستغفر میں م، س، ت حروف زائدہ ہیں اس لیے یہ لفظ ”غفر“ میں ملے گا۔ اس طریقہ کے موجد اگرچہ ابو عمر و الشیبانی ہیں لیکن انھوں نے الفاظ کی ترتیب میں صرف حرف اول کا لحاظ کیا تھا بعد میں اس نظام کو باقاعدہ شکل دینے والے ابوالمعالی محمد بن حمیم البرکلی ہیں۔ زبختری نے اساس البلاغہ میں اسی نظام کا اتباع کیا جس کی بنا پر بعض لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ انھوں نے ہی اس طریقہ کو ایجاد کیا۔

برکی نے اگرچہ کوئی لغت نہیں لکھی لیکن انھوں نے ”الصحاح“ کو اسی نظام کے مطابق از سر نو ترتیب دینے کا کارنامہ انجام دیا۔ مذکورہ نظام کی اہمیت اس لحاظ سے بہت زیادہ ہے کہ لغت نویسی کا یہی عصری طریقہ ہے۔ اساس البلاغہ کے علاوہ ”المصباح المنیر“ ((اللفیومی)، مختار الصحاح، المنجد اور المعجم الوسیط وغیرہ متعدد لغات میں اسی طریقہ کو اپنایا گیا ہے القاموس الوحید بھی اسی فہرست میں شامل ہے۔ (جاری ہے)

حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: ☆ سب سے زیادہ بربادی یہ ہے کہ کسی کو بڑی عمر ملے اور وہ سفر آخرت کی تیاری نہ کرے۔ ☆ دنیا جس کے لیے قید خانہ ہو تو قبر اس کے لیے باعث رحمت ہوگی۔ ☆ اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو کبھی قرآن شریف کی تلاوت یا سماعت سے سیری نہ ہو۔ ☆ دنیا کی فکر کرنے سے تاریکی پیدا ہوتی ہے، اور آخرت کی فکر کرنے سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔